دوام حدیث

بجواب

مقام حدیث

(۳)

(از افادات استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہم العالی شیخ الجامعۃ السلفیہ لائلپور)

قرآنی الفاظ کی دلالت، خفاء و ظہور کے اعتبار سے اصول فقہ میں مبادی لغویہ کی بحث میں قرآنی الفاظ کو خفا اور ظہور کے اعتبار سے چند اقسام پر منقسم کیا گیا ہے۔

خفا کی پھر چار قسمیں ہیں۔ خفی[۱]، مشکل[۲]، مجمل[۳]، متشابہ[۴]

خفی کا بیان خفی اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی پر کچھ پردہ پڑا ہوا ہو جس کی وجہ لفظ کے لغوی معنی میں خفا نہ ہو۔ بلکہ کسی اور عارضہ کی بنا پر ہو جس کی بنا پر اس کا معنی ظاہر نہ رہے مثلاً سارق (چور) کا لفظ لغوی معنی کے اعتبار سے اس میں کوئی خفا نہیں مگر سارق (چور) کے بعض مصداق ایسے ہیں جن کے عرف میں اور نام مشہور ہو گئے ہیں۔ جیسے جیب تراش، کیسہ بر، کفن بر۔ اب یہ شبہ گذرتا ہے کہ ان کو سارق (چور) کہا جائے یا نہ۔ تاہم تحقیق کے بعد اس کا معنی معلوم ہو سکتا ہے۔

مشکل:- مشکل اس لفظ کو کہتے ہیں جس میں نفس صیغہ ہی میں کچھ خفا ہو۔ مثلاً ایک مشترک لفظ کے ایک معنی کی تعیین پر کوئی قطعی دلالت نہ ہو جیسے اَنّٰی[۱] کا لفظ آیت کریمہ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (البقرہ پ۲) میں ہے۔ اس آیت میں لفظ اَنّٰی مشترک ہے اس کے دو معنی ہیں کَیفَ دوسرا معنی ہے اَیْنَ (جہاں) اب ایک فریق (شیعہ) جو دوسرے معنی کو لیتا ہے وہ عورت سے غیر فطری مجامعت کو جائز قرار دیتا ہے اور جو جماعت (اہل سنت) پہلا معنی مراد لیتی ہے ان کے نزدیک آیت سے جواز نہیں نکلتا بلکہ سیاق سباق، حدیث اور قیاس سے اس کو حرام قرار دیتا ہے احادیث میں فرداً فرداً کلام ہو تو ہو۔ مگر مجموعہ کے لحاظ سے وہ قابل استناد ہیں[۲]۔ قیاس کی صورت

---

[۱] تفسیر ابن کثیر میں اس مسئلہ اور احادیث و مذاہب پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ (ص۱۳۵، ص۲۲۵) جلد اول طبع المنار مصر (رحیق)

یہ ہے کہ

(۱) جب مردوں سے لواطت حرام ہے تو عورت سے بھی حرام ہونی چاہیئے۔

(۲) حیض میں مباشرت کی ممانعت میں جو لفظ اذی (گندگی) مذکور ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر فطری مجامعت چونکہ گندگی کی جگہ میں ہوتی ہے اس لیئے حرام ہے۔

(۳) لفظ حرث (کھیتی) سے بھی استدلال کرتے ہیں کیونکہ غیر فطری مجامعت کا محل کھیتی کی جگہ نہیں بلکہ گندگی کی جگہ ہے مگر کیا یہ قیاسات قطعی الدلالت بھی ہیں؟ اس سوال کے جواب میں لفظ اَنّٰی کو کیف کے معنی میں مؤول کہتے ہیں ـــــ مؤول اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے دو معنوں میں سے ایک معنی کو غالب ظن کی بنا پر ترجیح دی جائے۔

اور جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے مؤول کی دلالت کو ظنی کہا گیا ہے۔

مجمل اس لفظ کو کہتے ہیں جہاں مختلف معانی سے ایک معنی کو ترجیح دینے کے لیئے متکلم کی طرف رجوع کرنا پڑے جیسے آیت اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (اللہ نے بیع حلال کی اور سود حرام کیا) اس آیت میں "ربا" کی کوئی تفسیر نہیں کی نہ کسی دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے۔ نہ سیاق و سباق سے کچھ پتہ چلتا ہے ہاں حدیث و سنّت میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ پس جو شخص محض لغت سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کو عہد نبوی کے عرف کا تتبع کرنا پڑے گا اور وہ "عرف" کتب روایات میں ہی ملے گا۔ پھر لغت کی کتابیں بھی خبر واحد کے حکم میں نہیں بلکہ اس سے بھی کم (جیساکہ اوپر گذرا) بس یہ قرآنی مسئلہ بھی اس حیثیت سے "ظنی" ہی ہوگا۔

متشابہ جہاں متکلم کی مراد بالکل مجہول ہو۔ متکلم سے بھی بیان کی توقع نہ ہو جیسے حروف مقطّعات۔ لیکن ان حروف کو اسی صورت میں تشابہات میں داخل کرسکتے ہیں جب ان حروف سے ان کے اپنے معانی مراد نہ ہوں۔ اگر ان حروف سے ان کے اپنے معانی مراد لیئے جائیں تو پھر یہ حروف تشابہات میں داخل نہیں ہوں گے۔ بعض لوگ اس کی مثال میں آیات صفاتِ الٰہیہ کو پیش کرتے ہیں مگر ان آیات میں معانی کے اعتبار سے تشابہ نہیں بلکہ خارجی کیفیات کے اعتبار سے تشابہ ہے۔

دو معنی کے محتمل بعض قرآنی آیات قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن میں دو احتمال ہیں اور کسی ایک کو ترجیح دینے پر کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔

(پہلی مثال) لَا تُضَارَّ وَالِدَۃٌ بِوَلَدِھَا (بقرہ) والدہ اپنے بچے کی وجہ سے ضرر نہ دی جائے یا وہ کسی کو ضرر نہ دے۔ اب لفظ لاتضار میں معلوم اور مجہول دو متساوی احتمال ہیں۔ جو لوگ اختلاف قراءت کے قائل ہیں وہ دونوں معانی مراد لے سکتے ہیں۔ مگر جو مختلف قراءت کے قائل نہیں (جیسے منکرین حدیث) وہ کیا کریں گے۔

(دوسری مثال) وَلَا یُضَارَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ (بقرہ) "نہ ضرر دیا جائے یا نہ ضرر دے منشی اور نہ گواہ" یہاں بھی دو احتمال مساوی ہیں۔

(تیسری مثال) وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ (تکویر) "قسم ہے رات کی جب آئے یا جائے" یہاں بھی دو احتمال مساوی ہیں۔

(چوتھی مثال) اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (البقرہ) یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے" — اس میں ولی اور خاوند دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک کو ترجیح دی جائے تو قطعی نہیں ہوگی۔

(پانچویں مثال) وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْءٍ (بقرہ) "حیض والی عورتیں حیض یا طہر کا انتظار کریں" دیکھئے حیض اور طہر دونوں کا مساوی احتمال ہے۔

سطور بالا کا حاصل یہ ہے کہ صرف لغت میں قرآن فہمی کی بنیاد رکھی جائے تو کئی مواقع ایسے آجاتے ہیں کہ جس قسم کی قطعیت کو ہمارے دوست حدیث میں تلاش کرنا ظاہر کرتے ہیں، وہ قرآنی الفاظ سے بھی نہیں حاصل ہو سکتی۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیروں میں خود منکرین حدیث کے اختلاف سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی دلالت "قطعی" نہیں بلکہ "ظنی" ہے طرفہ یہ ہے کہ خود اسی کتاب میں لکھا ہے "میں اپنے فہم قرآن کو کبھی سہو و خطاء سے مبرا نہیں سمجھتا" (مقام حدیث ص۸۶ ج۱) اس سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک بھی قرآن مجید کی دلالت ہمیشہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتی۔

یقین اور ظن میں فرق | یہاں پر یقین و ظن کی تحقیق مناسب ہے مگر یقین کے متعلق اوپر گذر چکا ہے مگر لفظ ظن کی تشریح قدرے یہاں کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ "ظن" کبھی یقین کے مقابل بولا جاتا ہے اس وقت اس سے مراد کبھی تصدیق ہوتی ہے، جس میں دوسری جانب بھی احتمال ہو مگر کمزور ہو جیسے محکم کے علاوہ باقی الفاظ (ظاہر، نص، مفسر،

کے مفہوم میں احتمال ہوتا ہے اور احتمال کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

ظاہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کے سنتے ہی اس کی مراد سننے والے پر ظاہر ہو جائے غور و فکر کی ضرورت نہ پڑے۔

نص اس کلام کو کہتے ہیں جس کے سننے سے مراد بھی معلوم ہو جائے اور متکلم نے اسی لئے اس کو کہا بھی ہو۔ ان دونوں کی مثال یہ ہے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰا۔ "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام ٹھیرایا ہے" یہ آیت بیع اور ربا (سود) میں فرق کرنے کے لئے اتاری گئی ہے۔ اور کفار کے اس قول کی تردید مقصود تھی جو کہتے تھے (اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا "بیع اور سود برابر ہیں" سو اس آیت سے بیع کی حلت اور سود کی حرمت سنتے ہی معلوم ہو جاتی ہے پس یہ آیت سود اور بیع میں فرق کرنے کے لئے تو نص ہو گی اور بیع کی حلت اور سود کی حرمت میں ظاہر ہو گی۔ ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان پر عمل کرنا تو واجب ہو گا تاہم ان کا مفہوم اس لئے یقینی نہیں ہو گا کہ ان میں تاویل و تخصیص کا احتمال قائم ہے حقیقی معنی میں مجازی معنی کا احتمال ہوتا ہے اور عام میں تخصیص کی گنجائش ہوتی ہے۔

مفسر اسے کہتے ہیں جو نص سے زیادہ واضح ہو اس میں تخصیص اور تاویل کا احتمال نہ رہے مگر نسخ کا احتمال باقی ہو۔ مفسر کی دلالت تو قطعی ہوتی ہے مگر نسخ کے احتمال کی وجہ سے محکم کی طرح قطعی نہیں ہوتی۔

نص اور ظاہر کی دلالت یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ نص اور ظاہر کی دلالت بھی قطعی نہیں ہوتی اسی لئے ان کو دلالت کے اعتبار سے "ظنی" کہا جاتا ہے۔

قرآن میں ظن کے مفہوم ظنی کا یہ مفہوم منطقی ہے اور اہل علم عام طور پر ظن کا لفظ بول کر یہی معنی مراد لیتے ہیں مگر عرف میں اس کو یقین بھی کہتے ہیں اور قرآن نے بھی اس کو علم ہی کہا ہے ھَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (انعام) "یعنی کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو پیش کرو تم تو ظن کی ہی پیروی کرتے ہو"۔ اس جگہ علم کا لفظ بول کر مسائل وحی بھی مراد لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ وحی کے الفاظ میں بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی دلالت منطقی لحاظ سے "ظنی" ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ایسے ظن کو

قرآن علم سے تعبیر کرتا ہے۔

ظن کا ایک اور معنی بھی ہے جس کی قرآن مذمت کرتا ہے اور وہ شک کا ہے۔ اِنْ نَظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (جاثیہ) ہم صرف گمان کرتے تھے یقین نہیں کرتے تھے۔ یہی ہے وہ "ظن" جس کی قرآن مذمت کرتا ہے یعنی جو شک کے معنی میں ہے ورنہ قرآن مجید میں "ظن" کا اطلاق یقین پر بھی ہوا ہے جیسے:۔

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ	وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کو
وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ ۵)	ملنے والے ہیں۔

اور منطقی جس کو ظن کہتے ہیں قرآن اس کو علم کہتا ہے جیسا کہ سورۃ ممتحنہ میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا	یعنی اے ایمان والو جب تمہارے پاس
جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ	ایمان دار عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا
فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ	امتحان کر لیا کرو ان کے ایمان سے اللہ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا	خوب واقف ہے اگر تم کو ان کے ایمان کا "علم"
تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ط	ہو جائے تو ان کو کافروں کے حوالے نہ کرو۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کے دل کا پتہ لگانا انسان کے لئے محال ہے پس مہاجر عورتوں کے امتحان کرنے سے جو تصدیق ہوگی وہ منطقی اصطلاح میں غیر یقینی ہوگی مگر قرآن اس کو "علم" کہتا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسانی کوشش سے جو تصدیق ہوگی وہ شریعت میں علم ہے۔ وہ ظن نہیں جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔

ماقبل کا خلاصہ مندرجہ بالا گذارشات مختصراً یہ ہیں۔

(۱) قرآن مجید اگرچہ ثبوت کے لحاظ سے متواتر ہے مگر قرآن ہونے کے لئے اس کا متواتر ہونا ضروری نہیں۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن لوگوں نے قرآن مجید سنا پھر انہوں نے آگے اور لوگوں کو سنایا ان سب کے نزدیک قرآن قرآن ہی تھا حالانکہ اس وقت ان کو تواتر سے نہیں پہنچا تھا۔

(۳) قرآن مجید دلالت کے اعتبار سے بہت جگہ ظنی ہے خاص کر اگر روایت اور تعامل سے مدد نہ لی جائے

(باقی صفحہ ۱۸)